قرآن کریم اللہ کے بندوں کی عاجزی میں زیادتی کے سامان پیدا کرتا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ر جولائی ۱۹۸۱ء بمقام مسجد احمدیہ اسلام آباد)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ: ۱۸۶) رمضان کے مہینے کو قرآن عظیم سے ایک خاص تعلق ہے۔ یہ ماہ رمضان بھی ہے، روزوں کا مہینہ اس کے علاوہ بہت سی دیگر عبادات پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے اس مہینے میں۔ نفلی نماز ہے، تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ اصل تو تہجد ہے لیکن چونکہ دِينُ اللّٰهِ يُسْرٌ (تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۳۰۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے بہت سی سہولتیں پیدا کیں اس لئے ان لوگوں کے لئے جو دن کو جسمانی کام کرتے ہیں سخت اور ان کے جسم تھک جاتے ہیں اور اس قابل نہیں رہتے کہ وہ راتوں کے پچھلے حصے میں جاگیں اور خدا تعالیٰ کی عبادت کریں ان کے لئے یہ سہولت میسر کر دی کہ وہ پہلے حصے میں تراویح پڑھ لیں۔ پہلے حصے میں تراویح کا اصل رواج تو اجتماعی رنگ میں یعنی باجماعت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ اس سے قبل شروع سے ہی صحابہ مسجد میں عشاء کے بعد اپنے اپنے علیحدہ علیحدہ انفرادی طور پر نوافل جو تھے وہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ بہت سے اکٹھے ہو گئے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال آیا کہ ان منتشر افراد کو میں جماعتی رنگ میں حکم دے دیتا ہوں تراویح تو انہوں نے پڑھنی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اجتماعی طور پر باجماعت تراویح کا، رات کے پچھلے حصے میں نوافل پڑھنے کا رواج شروع ہوا۔

قرآن کریم کی تلاوت ہے، کثرت سے کی جاتی ہے اور پہلے بھی ایک دفعہ میں نے یہیں اشارہ کیا تھا کہ بہت سے ہمارے بزرگ ایسے ہیں جو ساری کتابیں بند کر کے رکھ دیتے تھے اور جو وقت بھی انہیں پڑھنے کے لئے ملتا تھا وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے لیکن قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کی غرض یہ ہے کہ کثرت سے ایسا موقع میسر آئے انسان کو کہ وہ اسے سمجھنے لگے۔ اس لئے قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ اتنی جلدی اسے نہ پڑھو کہ تمہیں اس کی سمجھ ہی نہ آئے، نہ اسے اتنی جلدی پڑھ کے دوسروں کو سناؤ کہ الفاظ کا ہی ان کو پتا نہ لگے۔ قرآن کریم تعویذ نہیں ہے، بڑی پر حکمت کتاب ہے، علوم سے بھری ہوئی اور ہدایت سے بھرپور۔ غور سے آپ پڑھیں گے، آپ میں سے ہر ایک کو میں کہہ رہا ہوں، غور سے آپ پڑھیں گے، بہت سی آیات پر آپ رک جائیں گے، سوچ میں پڑ جائیں گے، کوئی الجھن آپ کے سامنے آ جائے گی پھر بہتوں کے لئے اللہ تعالیٰ یہ سامان پیدا کرے گا کہ اسی وقت وہ الجھن ان کی دور ہو جائے گی اور صحیح مفہوم ان کے دماغ میں آ جائے گا اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تو اوقات کا جہاں تک تعلق ہے اس کی قربانی دی جاتی ہے، جسم مشقت برداشت کرتا ہے اور جو اموال ہیں ان کے متعلق بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے۔ آپ بڑے سخی تھے لیکن آپ کی سخاوت کی انتہا ماہِ رمضان میں ہو جاتی تھی۔ ماہِ رمضان سے باہر بھی آپ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جب مخالفِ اسلام نے اسلام کو ہلاک اور نابود کرنے کے لئے میان سے تلوار نکالی اور مسلمان کو مجبور کیا اپنے دفاع کے لئے جنگ کرنے پر، تو اللہ تعالیٰ نے فتوحات دینی شروع کیں اور مالِ غنیمت آنے شروع ہوئے۔ ایک روز ایک یہ واقعہ ہے کہ ایک وادی میں ہزاروں کی تعداد میں جانور بھیڑیں، بکریاں، اونٹ مالِ غنیمت کے یعنی جو قومی اموال تھے وہ چر رہے تھے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ٹیلے کے اوپر کھڑے ہوئے ان کو دیکھ رہے تھے اور خدا کی حمد میں مصروف تھے۔ سوچ رہے ہوں گے، یہ میں نے سوچا کئی بار کہ مکہ میں اڑھائی سال ایسے بھی گزرے کہ رؤسائے مکہ نے رسد کے سارے راستے بند کر دیئے اور مسلمانوں کو بھوکا رکھنے کی کوشش کی۔ بھوک کی مشقت اور تکلیف کو ان اڑھائی سال میں مسلمانوں نے برداشت کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ ان کو بھوکے مرنے نہیں دیا۔ بہر حال جو

جذبات خدا تعالیٰ کی نعمتوں پر غور اور فکر کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے وجود اور آپ کے دماغ میں پیدا ہو سکتے ہیں ان کا تصور ہم نہیں کر سکتے، اپنی استعداد کے مطابق کچھ سوچ لیتے ہیں۔ اس حالت میں ایک قبیلے کا شیخ، رئیس وہاں سے گزرا اور وہ قبیلہ کئی میل دور تھا وہاں سے، رستہ تھا یہ اس کا۔ وہ کھڑا ہوا، اس نے دیکھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کچھ دیں۔ آپ نے کہا یہ سامنے دیکھ رہے ہو نا جانور، سارے کے سارے جانور ہانک کے لے جاؤ۔ اس کو خیال آیا کہ میں سمجھا ہی نہیں یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگا یا رسول اللہ کیا بات؟ آپ نے کہا میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ جتنے جانور اس وادی میں ہیں سارے میں نے تمہیں دیئے، تم لے جاؤ۔ اس نے وہ جانور لئے، ایک مسافت طے کی اپنے قبیلے کی جہاں ڈیرہ تھا اس کا وہاں پہنچا، ساروں کو اکٹھا کیا اور ان کو کہا اپنے قبیلے کو کہ دنیا میں کوئی شخص اس قسم کی سخاوت نہیں کر سکتا جب تک اس کے پیچھے خدا تعالیٰ کی طاقت نہ ہو۔ اس واسطے ہم سب کو اسلام قبول کرنا چاہیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سارے قبیلے کی نجات کا سامان پیدا کر دیا۔ ویسے میں اس وقت بتا رہا ہوں کہ کس قسم کی سخاوت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوئی ہے لیکن صحابہ کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں تو جس طرح تیز ہوائیں چلتی ہیں یہ حال تھا آپ کی سخاوت کا۔

تو یہ بھی ایک قربانی، ایک عبادت خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہے ہمیں بھی کہا گیا ہے کہ جس حد تک ممکن ہو اپنے اموال کو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے اور اس کی مخلوق کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے خرچ کرو۔ میں بتا یہ رہا ہوں کہ ساری عبادات جو ہیں مالی بھی اور نفسی بھی یعنی جن کا ہماری جان اور اوقات کے ساتھ تعلق ہے مشقتیں ہیں اٹھانی جذباتی بھی (تفصیل میں مجھے جانے کی ضرورت نہیں) وہ ساری یہاں اکٹھی ہوگئی ہیں۔ بڑا عظیم مہینہ ہے۔

اور اس میں ایک اور عظمت ہے اور وہ یہ عظمت ہے کہ اس مہینے میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہے زیادہ اور قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں فرماتا ہے۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ (بنی اسرآئیل:۱۱۰)

اور وہ روتے ہوئے منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور خدا کا کلام (قرآن عظیم) ان میں فروتنی اور

عاجزی کو بڑھاتا ہے۔ قرآن کریم کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ جو اسے سمجھنے والے ہیں، ان کے اندر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی فطرت میں عبد بننے میں ممد ہونے کے لئے عجز اور انکساری اور تواضع کا مادہ رکھا ہے قرآن کریم ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ لغوی لحاظ سے خَشَعَ کے معنی ہیں خَضَعَ ۔ اِنْكَسَر اور خَضَعَ کے معنی ہیں تَوَاضَعَ۔ تواضع اور عاجزی جو ہے ایک مومن بندے کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے صرف اس وقت ممکن ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور اس کی صفات کی معرفت حاصل ہو اور قرآن کریم نے اس علم کے حصول کے لئے اتنے عظیم دروازے کھولے ہیں کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

میر داؤد احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات اکٹھا کر کے ''مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام'' کے نام سے کتاب شائع کی اس میں ایک عنوان ہے ''اللہ تعالیٰ'' تو اس کو آپ پڑھیں وہ حالانکہ اقتباسات ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تو آپ کو پتا لگے کہ قرآن کریم نے کس طرح میں سمجھتا ہوں پہلی بار (یہ بھی ایک مضمون ہے موازنے کا یعنی دوسرے مذاہب سے موازنہ کرنے کے لئے) کھل کے اور وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کیا لیکن محض ایک تھیوری، ایک فلسفہ، ایک علمی تحقیق کے طور پر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ میں نے ایسے سامان پیدا کئے ہیں کہ تم میری ہر صفت کے جلوے اپنی زندگی میں دیکھ سکتے ہو یعنی عملی مثال آپ اس کے ساتھ ہے جس کے بعد انکار کی گنجائش نہیں رہتی اور زندہ خدا کی زندہ طاقتیں جو ہیں، جو صفات ہیں وہ اس کی طاقتیں ہی ہیں نا، انہیں صفات بھی کہتے ہیں، الاسماء الحسنی بھی کہتے ہیں، زندہ طاقتیں بھی کہتے ہیں زندہ خدا کی زندہ طاقتوں کا وہ شخص مشاہدہ کرتا ہے جس کا اپنے رب کریم کے ساتھ ایک زندہ تعلق پیدا ہو جائے۔ اور قرآن کریم نے یہ اعلان کیا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (الذّٰریٰت: ۵۷) میں نے تمہیں پیدا ہی اس غرض سے کیا ہے کہ تم میرے قرب کو حاصل کرو اور میری صفات اور اخلاق کا رنگ اپنے اخلاق کے اوپر چڑھاؤ۔

اور پھر یہ کہا کہ بہت سے لوگوں کے لئے خصوصاً ابتدا میں یہ محض ایک علمی اور تحقیقی بحث

ہو گی لیکن تمہارے سامنے ایک عظیم نمونہ، اسوہ میں نے رکھ دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، جس زندگی میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کے، اس کے جلال کے، اس کی صفات کے زندہ نمونے نظر آتے ہیں اور ہمیں کہا وہ نقشِ قدم تمہارے سامنے ہیں ان نقوشِ قدم کو Follow کرو، ان کے پیچھے چلو ان کی اتباع کرو تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گے جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے۔

تو رمضان کا تعلق یا قرآن کریم کا تعلق رمضان سے ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے بندوں کی جو عاجزی ہے اور تواضع ہے اس میں زیادتی پیدا کرنے کے سامان پیدا کرتا ہے اور ہماری روحانی ترقی کے لئے عجز وانکسار کا پایا جانا ہماری فطرت میں اور اس کی کامل نشو ونما ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہمیں یہ کہا گیا ہے کہ جب تک تم اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو مضبوطی سے پکڑو گے نہیں، جو کہتا ہے وہ کرو گے نہیں، جس سے روکتا ہے اس سے باز نہیں آؤ گے اور دعا اور وہ دعا جس کو صلوٰۃ کے لفظ میں یاد کیا گیا ہے اس کے ذریعے سے میرے فضل اور رحمت کو جذب نہیں کرو گے تم میرے قرب کو حاصل نہیں کر سکتے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ (البقرة:۴۶) اور صبر اور دعا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ بہت جگہ اور بھی آیا ہے۔ اس آیت کا انتخاب میں نے اس لئے کیا کہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ صبر وصلوٰۃ کے بغیر کوئی استعانت، مدد نہیں مل سکتی، اس کی رحمت اور اس کا فضل اور اس کی برکتیں تمہیں حاصل نہیں ہوسکتیں اور صبر اور صلوٰۃ، عجز اور انکساری کی بنیادوں کے اوپر اٹھتے ہیں۔ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (البقرة:۴۶) اور بے شک فروتنی اختیار کرنے والوں کے سوا دوسروں کے لئے یہ امر مشکل ہے یعنی جو فروتنی کرنے والے ہیں صرف ان کے لئے یہ مشکل نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے اور اس کی ہدایت کے مطابق صبر اور صلوٰۃ پر کاربند ہوں۔

صبر کے بنیادی معنی تو ہیں استقلال کے ساتھ اور استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا اور ان کے مطابق اپنی زندگی گزارنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام جو ہیں وہ ہماری زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں اور عربی زبان بہت سے بنیادی ایسے پہلوؤں کے ساتھ صبر کا

لفظ استعمال کرتی ہے اس لئے مفرداتِ راغب نے اس کے معنی کرتے ہوئے یہ کہا کہ صبر کے اصل معنی تو یہ ہیں کہ حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا یَقْتَضِیْهِ الْعَقْلُ وَ الشَّرْعُ کہ مضبوطی کے ساتھ اپنے نفس کو اس مقام پر قائم رکھنا جس مقام پر قائم رہنے کا عقل اور شریعت مطالبہ کرتی ہے، تقاضا کرتی ہے لیکن اس کی وہ کہتے ہیں مختلف شکلیں نکل آتی ہیں۔ مصیبت کے وقت صبر کرنا، جس کا مطلب ہے واویلا نہ کرنا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا، نہ بولنا جس سے یہ معلوم ہو کہ انسان کا تعلق خدا تعالیٰ سے نہیں بلکہ اس کے غیر کی طرف وہ رجوع کر رہا ہے یا خدا تعالیٰ پر اسے کامل بھروسہ نہیں اور اس کے جو احکام ہیں جس شکل میں بھی وہ آتے ہیں ان پر وہ پوری طرح راضی نہیں۔

دوسرے اس کے معنی میدانِ جنگ میں ایک کیفیت ہے اس کے متعلق بولا جاتا ہے۔ وہ شجاعت ہے جس معنی میں اسلام نے اسے استعمال کیا ہے۔ شجاعت کے معنی ہیں وہ بہادری جس کا تقاضا احکامِ قرآنی کر رہے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم نے شجاعت کے معنوں میں یہ تقاضا کیا کہ ایک وقت میں کہا کہ اگر ایک ہوگے تو دو پر بھاری یعنی ایک ہزار تم ہوگے میدانِ جنگ میں تو دو ہزار پر بھاری ہوگے۔ پھر کہا تمہیں ہم روحانیت میں ترقی دیں گے تم ایک ہزار ہوگے دس ہزار پہ بھاری ہوگے۔ تو یہ شجاعت، یہ ہے شجاعت جس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں صبر کہہ سکتے ہیں میدانِ جنگ میں۔

بڑا بہادر تھا طارق جس نے اپنی کشتیاں جلائیں اور کامل توکل خدا تعالیٰ پر کیا۔ اس نے سوچا ہوگا شاید کہ میرے مقابلہ میں ایک وقت میں میرے پاس (کچھ اور فوج مل گئی تھی ان کو) بارہ ہزار ہیں تو ایک لاکھ بارہ ہزار سے زیادہ تو کسی میدان میں جمع نہیں ہوں گے اس واسطے مجھے کشتیوں کے سہارے کی ضرورت نہیں، میرے لئے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ کافی ہے۔ کس قدر شجاعت کا مظاہرہ کیا خدا تعالیٰ کے احکام پر قائم ہو کر اور دنیا کے لئے ایک حیرت اور ایک اعجوبہ بن گیا طارق۔ لیکن صرف طارق ہی تو نہیں جس جگہ ہماری ساری تاریخ میں خدا تعالیٰ کے احکام پہ عمل کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق صبر کا نمونہ دکھایا مسلمان نے اور کامل توکل کیا اپنے رب پر دشمن کے تیر ان کی پیٹھ پر نہیں پڑے سینوں پر کھائے۔

ایک صبر کے معنی ہیں آفاتِ سماوی آتی ہیں آزمائش کے لئے اس وقت زجر نہ کرنا۔

چوتھے معنی ہیں زبان پر قابو رکھنا۔ بہت سارے لوگوں کو عادت ہے ویسے ہی بولتے رہتے ہیں اور فتنہ پیدا ہوتا ہے اور وہ خوشحال معاشرہ اور پرامن معاشرہ جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے ان کی زبان اس میں رخنے پیدا کر دیتی ہے۔ زبان پر قابو رکھنا اس معنی میں بھی صبر کا لفظ آیا ہے کہ اپنی زبان کو احکامِ الٰہی کی رسیوں میں باندھو اور جتنی، جب اجازت ہو جس حد تک بولنے کی اس سے زیادہ نہ بولو۔ نہ کرنے والی بات کرنہ دینا گالی نہ دینا، افترا نہ کرنا، اتہام نہ لگانا، بدظنی نہ کرنا وغیرہ وغیرہ خدا تعالیٰ نے بہت سے احکام ایسے ہیں جن کے ذریعے سے زبان پر پابندیاں لگائی ہیں اور ان احکام کے مطابق اپنی زبان کا استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں ایک یہ بھی صبر ہے۔

پانچویں، مفرداتِ راغب میں ہے، یہ معنی ہیں اس کے کہ عبادتِ الٰہی میں جس حد تک ممکن ہو مشغول رہنا اور ہمارے لئے تو اللہ تعالیٰ نے ہر وقت مشغول رہنے کا سامان پیدا کر دیا۔ جس وقت ہم باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں وہ بھی عبادت میں مشغول ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک اجتماعی نماز کے وقت بھی میری عبادت میں تم مشغول ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں، بیٹھے ہونے کی حالت میں، لیٹے ہونے کی حالت میں تم میرا ذکر کر سکتے ہو اور میری عبادت میں مشغول رہ سکتے، میری صفات کا ورد کر سکتے ہو، ان کے واسطے سے مجھ سے مانگ سکتے ہو اور دعائیں کر سکتے ہو، اپنی ضرورتیں میرے سامنے پیش کر سکتے ہو، دعا اور صلوٰۃ میں ہر وقت مشغول رہ سکتے ہو اور جو دعا کرتے ہوئے سو جاتا ہے سوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ہی ثواب دے دیتا ہے۔

اور چھٹے یہ کہ اہوائے نفس کے خلاف ہر وقت جہاد میں مشغول رہنا۔ یہ جو انسان کا نفس ہے نا یہ بڑا تنگ کرتا ہے انسان کو اور چوکس اور بیدار رہ کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی عظمت اور اس کے جلال کو سامنے رکھے بغیر انسان اپنے نفس سے کامیاب جنگ نہیں کر سکتا۔

تو وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ میری مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ۔ اور جو صبر ہے وہ عاجزی کے بغیر تم نہیں کر سکتے۔ مثلاً ہم نے صبر کے معنی کئے تھے مصیبت کے وقت جزع فزع نہ کرنا۔ جو

عاجز بندہ ہے وہ تو کہے گا کہ جو جتنی دیر میں اس مصیبت سے امن میں رہا اس کا بھی میرا کوئی میرے رب پہ حق نہیں۔ تو جب وہ چیز مجھ سے لے لی گئی اور میرے پر بے اطمینانی کے حالات پیدا ہو گئے تو میں کیا شکوہ کروں خدا سے۔

جب وہ اطمینان جو میرے پاس تھا وہ میرا حق نہیں تھا تو جو مجھ سے لیا گیا وہ میرا حق چھینا نہیں گیا لیکن اگر کوئی شخص کہے اتنا بڑا میرے رب نے میرے پر یہ ظلم کر دیا، بے صبری کی بات ہوگئی نا، عاجزی کی بات نہ رہی نا، تکبر کی بات ہوگئی نا، فخر کی بات ہوگئی نا، اِباء کی بات ہوگئی نا، شیطانی کلمہ منہ سے نکل گیا نا، زبان پر قابو نہ رکھنا مثالوں پہ گیا تو بہت مثالیں دیں تو دیر ہو جائے گی۔ اکثر زبان کا وار جو ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے احکام کو توڑنے والا، وہ اپنی بڑائی کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ ایک عاجز بندہ اپنی زبان سے دوسرے کو دکھ دے ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ نے تو یہاں تک حکم دیا کہ شرک سب سے بڑا گناہ، مشرک کو میں اس کا گناہ معاف نہیں کروں گا لیکن تمہیں میں تمہاری زبان کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ جن بتوں کی وہ پرستش کر رہے ہیں ان کو تم گالی دو وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الانعام:۱۰۹) کہ جو شخص خدا کے اس حکم کو توڑ کے بت کو گالی دیتا یا کسی اس کے بندے کے خلاف بدزبانی کرتا ہے وہ جس کے خلاف بدزبانی کرتا ہے اس سے خود کو بڑا سمجھتا ہے نا تبھی اس نے اپنا یہ حق سمجھا نا کہ اس کو گالیاں دینی شروع کر دیں، بدزبانی اس کے خلاف شروع کر دی۔

تو جب تک صحیح اور حقیقی خشوع نہ ہو، عاجزی نہ ہو، انکسار نہ ہو، تواضع نہ ہو صبر کے تقاضے نہیں پورے کئے جا سکتے اور اسی واسطے میں نے شروع میں کہا کہ جو صبر ہے وہ عاجزی اور انکسار کی بنیادوں پر کھڑا ہوتا ہے۔

دوسرے ہے صلوٰۃ۔ صلوٰۃ کے معنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔ دعا سے مختلف ہیں۔ صلوٰۃ دعا بھی ہے لیکن ہر دعا جو ہے وہ صلوٰۃ نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

جب انسان کی دعا محض دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں۔

(یہ بات میں اپنی طرف سے واضح کر دوں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی ضرورتوں کو پورا

کرنے کے لئے بھی ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم خدا سے مانگیں لیکن یہاں یہ سوال نہیں کہ وہ حکم ہے یا نہیں، یہاں یہ ہے کہ اس کو دعا نہیں ہم کہتے۔ضروری ہے آپ نے فرمایا جوتے کے تسمے کی بھی ضرورت ہے تو یہ نہ سمجھو کہ کوئی دکان تمہیں تسمہ دے دے گی، مجھ سے مانگو) لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے اور عجز، انکسار، تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے تب وہ صلوٰۃ میں ہوتا ہے۔

اور پھر آپ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

”دل پگھل جائے اور روح پانی کی طرح حضرتِ احدیت کے آستانہ پر گرے“ (یہ ہے صلوٰۃ)

تو جو معنی صلوٰۃ میں، صلوٰۃ کے لفظ میں، موٹے تو ہر ذہن میں آتے ہیں دعا کرنا یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایک خاص دعا ہے، یہ آتے ہیں لیکن اس کے معنی میں عجز اور انکساری بھی شامل ہے وہ جو چھپا ہوا حصہ تھا اس معنی کا اس آیت نے اسے کھول کر بیان کر دیا اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ کہ جب تک عجز وانکسار کی راہوں کو اختیار نہ کیا جائے تم وہ حقیقی دعا جسے ہم صلوٰۃ کہہ سکتے ہیں وہ خدا تعالیٰ سے مانگ نہیں سکتے۔

میں نے بتایا کہ یہ جو عاجزی اور انکساری ہے اس کے لئے معرفتِ ذات وصفاتِ باری ضروری ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور دوسری اس کی عظیم جو صفات ہیں ان کی معرفت اپنی اپنی عقل اور استعداد کے مطابق ان کا جاننا ضروری ہے۔تو میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ خودی جب انانیت کا روپ دھارتی ہے تو ہلاکت بن جاتی ہے اور خودی جب اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو پہچانتی اور ان عظمتوں کے دریا میں غرق ہو جاتی اور فنا ہو جاتی ہے تو اس قسم کا حسن اور روپ اس کے اوپر آتا ہے کہ جس قسم کا حسن اور روپ دنیا کی کوئی طاقت کسی انسان کو بخش نہیں سکتی۔انسان کے لئے اپنے رب کا عبد بننا، اس کے اخلاق کا حسن اپنے اخلاق پہ چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاجزانہ راہوں کو اختیار کرے اور فنا اپنے پر وارد کرے۔ ہماری اصطلاح میں، اسلام کی اصطلاح میں یا صوفیا کی اصطلاح میں فنا اور لقا اور بقا۔ یہ تین آ گئی ہیں اصطلاحیں۔فنا کے

بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب مل ہی نہیں سکتا یعنی ہر چیز کو خدا کی راہ میں قربان کر دینا یہی فنا ہے نا اپنا وجود بھی باقی نہ رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے سب کچھ کرو، خدا کے حضور پیش کرو، اعمال بجالاؤ سب کچھ کرنے کے بعد سمجھو کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ ایک تو اس کے لئے بھی کہ جو کچھ تم نے کیا جب تک وہ مقبول نہ ہو جائے تمہیں کچھ مل نہیں سکتا اور وہ مقبول ہو نہیں سکتا جب تک دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تم جذب نہ کرنے والے ہو اور دعا قبول نہیں ہو سکتی، صلوٰۃ قبول نہیں ہو سکتی جب تک عجز اور انکسار کی بنیاد پر اسے کھڑا نہ کیا جائے۔ اور اسی طرح فنا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رنگ میں ہمیں اپنی زندگیاں گزارنے کی توفیق عطا کرے کہ ہمیں اس کا قرب اور پیار اور رضا حاصل ہو جائے اور اس کی طاقتوں سے ہم طاقت لینے والے اور اس کی قدرتوں کے جلوے ہماری زندگیوں میں ظاہر ہونے والے ہوں تا کہ اس صورت میں ہم ان ذمہ داریوں کو نباہ سکیں جو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں غلبۂ اسلام کے لئے ہمارے کندھوں پر ڈالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے۔ آمین۔

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)